قرآن و بائبل میں توحید الوہیت کے نفسیاتی اسالیب

Psychological Methods of Monotheism in Qur'an and Bible

Bushra Nosheen[1]

Dr. Irfan Khalid Dhillon [2]

The first and foremost issue in obedience was the acknowledgment of the creativity and onenese of the Creator of the Universe, which, by its acceptance, triggers the process of correcting human psychology, and it's disacceptanç leads to deterioration . Allah has sent his inspirational messages through the chosen messengers for the betterment of the human beings of the deteriorated societies, in which the last message was sent through the last messenger namely the Qur'an, it's every word has the impact, based on truth ,nature and human psychology. Since this Kalam is not human endeavor, it is expounded from the Creator of the Universe, from whom not even a single particle is hidden. So by considering the meaning and concepts of every word of the Divine, it becomes evident that the Muttakalim has shaped His message by considering the human psychology and nature. He address the Noble sprits . The relationship between the impact of the Qur'an and the biblical arguments and the human psychology has been discussed in this article.

Key words: *Creativity, human psychology, Mutakalim, messenger, monotheism*

خالق ارض وسماء نے خطہ ارضی میں بنی نوع انسان کو بسا کر کارہائے امور زندگی میں یونہی کھلا نہیں چھوڑ دیا بلکہ انہیں باقاعدہ نظام اور احکام کا پابند بنایا، جس طرح انسانی زندگی کے لیے ماہ وسال، اوقات ایام، موسمیات اور دیگر زمین و آسمانی تغیرات کو موافق کیا اسی طرح انسانوں کے مابین زندگی گزارنے کے ڈھنگ واسلوب کو بھی فطرت انسانی کے موافق قرار دیا اور انہیں ان احکامات کا پابند بنایا جو انسانی زندگی کے لیے بہترین ہے اور یہ نظام ازل سے قائم تھا۔

استمرار زمانہ کے ساتھ ساتھ انسان مختلف طبقات اور معاشروں میں بٹنے کی وجہ سے احکام الٰہی اور نظام حق سے دور ہوتے گئے اور خالق کے فرمودات سے کلی طور پر روگردانی کرتے ہوئے ضلالت و گمراہی کے قعر مذلت میں غرق ہوتے چلے گئے۔ گویا نوع انسانی نے اللہ تعالیٰ کے لاگو کردا بہتری و بھلائی کے نظام جو ان کی زندگیوں اور وجود کے لیے مجرب و مفید تھے کو یکسر رد کر دیا ہے اور اپنی عقل و خواہشات کی پیروی کرتے ہوئے اپنے وجود کی بربادی کے درپے ہوگئے۔

فرمانبرداری میں سب سے پہلا اور اہم معاملہ خالق کائنات کی کاریگری اور یکتائی کا اقرار تھا کہ جس کے مان لینے سے ہی انسانی نفسیات کی درستگی کا عمل جاری ہو جاتا ہے اور روگردانی سے انسانی نفسیات کے بگاڑ کا آغاز ہو جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے بگڑے ہوئے معاشروں کے انسانوں کی اصلاح کے لیے اپنے فرستادہ بندوں کے ذریعے الہامی پیغامات گاہے بگاہے نازل کیے جن میں آخری پیغام آخری پیغام رساں کے ذریعے قرآن

[1]. PhD Scholar, Department of Islamic Studies, University of Engineering and Technology Lahore

[2]. Prfessor, Department of Islamic Studies, University of Engineering and Technology Lahore

کے نام سے نازل فرمایا جس کا ایک ایک حرف اثر آفریں، مبنی بر حقیقت اور عین نفس انسانی اور فطرت کے مطابق ہے۔ چونکہ یہ کلام انسانی کاوش نہیں اس خالق کائنات سے صادر ہوا جس سے کائنات کا ایک ذرہ بھی پوشیدہ نہیں، لہٰذا کلام الٰہی کے ایک ایک لفظ کے اسرار و حکم پر غور و خوض کیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ متکلم نے ایک ایک لفظ کے اندر انسانی نفسیات و فطرت کو پیش نظر رکھتے ہوئے عبارت کو پرو دیا ہے۔ جو سلیم الفطرت روح سے مخاطب ہے جیسا کہ قرآن میں ہے:

"اس حقیقت کو پہچاننے کے لیے اگر کوئی نشانی اور علامت درکار ہے تو جو لوگ عقل سے کام لیتے ہیں انکے لیے آسمانوں اور زمین کی ساخت میں، رات اور دن کے پیہم ایک دوسرے کے بعد آنے میں ان کشتیوں میں جو انسان کے نفع کی چیزیں لیے ہوئے دریاؤں اور سمندروں میں چلتی پھرتی ہیں بارش کے اس پانی میں جسے اللہ اوپر سے برساتا ہے پھر اس کے ذریعے سے زمیں کو زندگی بخشتاہے اور اپنے اسی نظام کی بدولت زمین میں ہر قسم کی جاندار مخلوق کو پھیلاتا ہے۔ ہواؤں کی گردش میں اور بادلوں میں جو آسمان اور زمین کے درمیان تابع فرمان بنا کر رکھے گئے ہیں بے شمار نشانیاں ہیں"[3]

دوسری جگہ میں ہے:

"اس نے تمہاری بھلائی کے لیے رات اور دن کو اور سورج اور چاند کو مسخر کر رکھا ہے اور سب تارے بھی اسی کے حکم سے مسخر ہیں۔ اس میں بہت نشانیاں ہیں ان لوگوں کے لیے جو عقل سے کام لیتے ہیں۔"[4]

الفاظ کا چناؤ، مخاطب کا انداز نشیب و فراز، ٹھہراؤ اور جھکاؤ، وعید و نوید، جھنجھوڑنا اور محبت سے بھینچنا قرآنی الفاظ اور عبارات میں ہمیں یہ سب انسانی نفسیات سے جڑی اصناف ملیں گی جو عبارات قرآنیہ میں جابجاوارد ہیں۔

عقیدہ توحید:

عقیدہ ان فیصلوں کا نام جسے انسان اپنے عقل و روح سے سوچ کر کانوں سے سن کر اور قوانین الٰہی کے ذریعے پرکھ کر صادر کرتا ہے۔ یہ فیصلے دوٹوک اور بے لاگ ہوتے ہیں عقل و نقل کی کسوٹی پر قطعی پورے اترتے ہیں اس لیے جب انسان کا ذہن اس قسم کا کوئی فیصلہ صادر کرتا ہے اور اپنے دل و دماغ میں ٹھان لیتا ہے کہ اس نے جو سوچا وہی برحق ہے اور درست ہے پھر کوئی طاقت اسے فیصلہ سے ہٹا نہیں سکتی نہ ہی اس کے اندر کسی قسم کا نقص، فتور یا شک و شبہ کا احتمال اس کے دل میں پیدا کر سکتی ہے۔ یہی سوچ انسان کو اپنے بنائے ہوئے عقیدہ سے ہٹانے میں مشکلات اور رکاوٹیں ڈالتی ہے۔ یہ فکر عقیدہ کے درست ہونے کی شکل میں تو بہترین کہلاتی ہے کہ انسان توحید کے لیے اپنی جان تک کی پرواہ نہیں کرتا مگر دوسری صورت میں جب کہ ان فیصلوں میں شیطان اور تقلید آباء کا عمل دخل ہو جائے اپنے مشرکانہ عقائد پر ڈٹے رہنا رب العزت کی ناراضگی اور غضب کا باعث ہوتی ہے۔

---

(3) البقرہ 164:2

Al-Baqrah,164:2

(4) النحل 12:16

Al-Nahal, 12:16

خالق کائنات انسان کو ہمیشہ ان گمراہیوں سے نکالنے کا انتظام فرماتا رہتا ہے کبھی انبیاء ورسل اور کبھی ان کے پیروکاروں کی تبلیغ، نہی عن المنکر وامر بالمعروف کے ذریعے۔ معاشرہ جب کثرت سے شرک کا گناہ عام کر دیتا ہے تو ان کی اصلاح کی تدابیر واسباب پیدا کیے جاتے ہیں۔ کلام الٰہی ہی وہ واحد ذریعہ جو انسان کو ذہنی طور پر قبولیت کے مقام تک لے آتا ہے۔

توحید الوہیت:

مسئلہ توحید میں توحید کی پہلی قسم الوہیت ہے جس کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے قرآن میں جابجا فرمان وارد کیے ہیں اور توحید الوہیت ہی کے بارے میں طبقات انسانی میں اسی صنف کے انکار کا رواج ہوا اور انسانی نفسیات نے فطرت سے روگردانی کرتے ہوئے توحید کی اس قسم پر استقامت کے برعکس اسے ترک کرتے ہوئے اس کے انکار کو ترجیح دی اسی صنف توحید بارے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

"يٰۤاَهْلَ الْكِتٰبِ لَا تَغْلُوْا فِيْ دِيْنِكُمْ وَ لَا تَقُوْلُوْا عَلَى اللّٰهِ اِلَّا الْحَقَّ۔ اِنَّمَا الْمَسِيْحُ عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ رَسُوْلُ اللّٰهِ وَ كَلِمَتُهٗ ۚ اَلْقٰىهَاۤ اِلٰى مَرْيَمَ وَ رُوْحٌ مِّنْهُ ۫ فَاٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَ رُسُلِهٖ ۚ وَ لَا تَقُوْلُوْا ثَلٰثَةٌ ؕ اِنْتَهُوْا خَيْرًا لَّكُمْ ؕ اِنَّمَا اللّٰهُ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ؕ سُبْحٰنَهٗۤ اَنْ يَّكُوْنَ لَهٗ وَلَدٌ ۘ لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَ مَا فِي الْاَرْضِ ؕ وَكَفٰى بِاللّٰهِ وَكِيْلًا۔"[5]

"اے اہل کتاب اپنے دین میں غلو نہ کرو اور اللہ کی طرف حق کے سوا کوئی بات منسوب نہ کرو۔ مسیح عیسیٰ ابن مریم اس کے سوا کچھ نہ تھا کہ اللہ کا ایک رسول تھا اور ایک فرمان تھا جو اللہ نے مریم کی طرف بھیجا اور ایک روح تھی اللہ کی طرف سے پس تم اللہ اور اسکے رسولوں پر ایمان لاؤ اور نہ کہو کہ تین ہیں۔ باز آجاؤ یہ تمہارے ہی لیے بہتر ہے۔ اللہ تو بس ایک ہی خدا ہے وہ بالاتر ہے اس سے کہ کوئی اس کا بیٹا ہو۔ زمین اور آسمانوں کی ساری چیزیں اسکی ملک ہیں اور ان کی کفالت وخبر گیری کے لیے بس وہی کافی ہے۔"

پس منظر وسیاق وسباق:

چونکہ یہ تخاطب ایک ایسے گروہ کے لیے جو اللہ تعالیٰ کی توحید کے قائل تسلسل کو معطل کر چکے تھے۔

"یہود کہتے ہیں کہ عزیر اللہ کا بیٹا ہے، اور عیسائی کہتے ہین کہ مسیح اللہ کا بیٹا ہے۔ یہ بے حقیقت باتیں ہوتی ہیں جو وہ اپنی زبانوں سے نکالتے ہیں ان لوگوں کی دیکھا دیکھی جو ان سے پہلے کفر میں مبتلا ہوئے تھے خدا کی مار ان پر یہ کہاں سے دھوکہ کھارہے ہیں۔ انہوں نے اپنے علماء اور درویشوں کو اللہ کے سوا اپنا رب بنالیا ہے اور اسی طرح مسیح ابن مریم کو بھی حالانکہ ان کو ایک معبود کے سوا کسی کی بندگی کرنے کا حکم نہیں دیا گیا تھا، وہ جس کے سوا کوئی مستحق عبادت نہیں پاک ہے وہ مشرکانہ باتوں سے جو یہ لوگ کرتے ہیں۔"[6]

---

(5) النساء4:171

Al-Nisā, 171:4

(6) التوبہ9:30-31

ایسی قوم جس کی گھٹی میں غلو اور محبت رہبر اسقدر جاگزیں تھی کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی وفات کے بعد ان کی تعلیمات مرور زمانہ کی نذر ہو گئے عیسائی علماء نے عقیدت میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تعلیمات کو یکسر نظر انداز کرتے ہوئے نفسیات انسانی کے ایک کمزور پہلو محبت کی زیادتی کی وجہ سے عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق غلو اختیار کیا۔ اسی کے متعلق قرآن کریم میں ہے:

"قُلْ يٰۤاَهْلَ الْكِتٰبِ لَا تَغْلُوْا فِيْ دِيْنِكُمْ غَيْرَ الْحَقِّ وَ لَا تَتَّبِعُوْۤا اَهْوَآءَ قَوْمٍ قَدْ ضَلُّوْا مِنْ قَبْلُ وَ اَضَلُّوْا كَثِيْرًا وَّ ضَلُّوْا عَنْ سَوَآءِ السَّبِيْلِ"(7)

"کہو، اے اہل کتاب! اپنے دین میں ناحق غلو نہ کرو اور ان لوگوں کے تخیلات کی پیروی نہ کرو جو تم سے پہلے خود گمراہ ہوئے اور بہتوں کو گمراہ کیا اور 'سواء السبیل' سے بھٹک گئے۔"

یہود کا حضرت عیسیٰ (علیہ السلام) کے بارے یہ غلو تھا کہ انہوں نے حضرت مریم پر تہمت لگائی اور نصاریٰ کا غلو یہ تھا کہ انہوں نے حضرت عیسیٰ (علیہ السلام) کو رب بنادیا، افراط اور تفریط گناہ اور کفر ہے۔(8)

جس طرح مذہب کے معاملات میں تفریط بہت بڑا جرم ہے اسی طرح یہ افراط بھی بہت بڑا فتنہ ہے اس سے مذہب کا وہ مزاج جو سر تا سر اعتدال ہے بالکل درہم برہم ہو جاتا ہے اور اس کی وہ خدائی ترکیب و تالیف جو اس کے اجزا کو حسن و جمال کا ایک دلا آویز پیکر بناتی ہے بالکل مسخ ہو جاتی ہے۔(9)

دین میں غلو کا فتنہ جس راہ سے پیدا ہوتا ہے اور پھر اس کی تائید و تقویت کا ساز و سامان جہاں سے فراہم ہوتا ہے، یہ اس کا سدباب ہے۔ اگر اللہ کی طرف وہی بات منسوب کی جائے جو اس نے فرمائی ہے تو اس سے کسی فتنے کا دروازہ نہیں کھل سکتا۔ فتنے کا دروازہ اس وقت کھلتا ہے جب اس کی طرف وہ بات منسوب کی جائے جو اس نے نہیں فرمائی ہے۔ یہی چیز بدعت ہے اور یہیں سے شیطان کو دین میں گھسنے اور اس میں فساد برپا کرنے کی راہ کھلتی ہے۔ نصاریٰ جہاں سے ہلاک ہوئے ہیں وہ یہی دروازہ ہے۔(10)

غلو اور علم نفسیات:

غلو نفسیات انسانی کا وہ عارضہ ہے کے جس کے لاحق ہو جانے سے معتدل مزاج اپنا توازن کھو بیٹھتا ہے اور انسان اس بیماری کے باوصف اپنے ممدوح کی محبت میں بے جا زیادتی کر بیٹھتا ہے۔ شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ اس بارے فرماتے ہیں:

Al-Toubah, 30-31:9

(7) المائدہ 77:5

Al maidah, 77:5

(8) قرطبی، محمد بن احمد* الجامع لاحکام القرآن* دار الکتب* مصریہ، القاہرہ، الطبعہ الثانیہ، 1384، 440/3

Qurtqbi, Mohammad bin Ahmad, Aljame Alahkam AlQuran Darulkutab Msreah, alqahira, altbah alsaniah 1384, 440/3

(9) تدبر قرآن، 435/2

Tadabre Qur'an 435/2

(10) ایضاً۔

do.

"الغلو مجاوزة الحد بأن يزاد في الشيء في حمده أو ذمه على ما يستحق-"[11].

غلو کسی کی ستائش وذم میں جس کاوہ مستحق نہی ہو تا حد سے بڑھادینے کو کہتے ہیں۔ اسی طرح امام ابو بکر الجصاص رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"هو مجاوزة حد الحق فيه-"[12].

"جس میں استحقاقی حد سے تجاوز ہو۔"

ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ اس بارے میں لکھتے ہیں:

"المبالغة في الشيء والتشديد فيه بتجاوز الحد-"[13]

"حد سے بڑھتے ہوئے کسی چیز میں مبالغہ کرنااوراس پر ڈٹ جانا۔"

غلو چونکہ فطرت انسانی کی بری خصلت ہے اور یہ شیطان کی طرف سے انسان کو اکسانے پر صادر کی جاتی ہے اس حالت میں انسانی نفسیات مکمل طور پر شیطان سے مغلوب ہو جاتی ہے حافظ ابن قیم سلف کا قول نقل کرتے ہیں کہ:

"ما أمر الله تعالى بأمر إلا وللشيطان فيه نزغتان، إما إلى تفريط وتقصير، وإما إلى مجاوزةٍ وغلو، ولا يبالي بأيِّهما ظفر"[14]

"اللہ تعالی کے حکم میں شیطان دوطرح سے آتا ہے یاتووہ بیشی اور کمی کروادیتا ہے یا کسی کی ذات کی قدرومنزلت بڑھادیتا ہے اور اس کی پرواہ نہیں کرتا کہ کس میں کامیاب ہو۔"

محبت، نفرت اور علم نفسیات:

انسانی شخصیت کے اہم پہلو میں محبت اور نفرت بھی پائے جاتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ یہ پہلو جب شدت اختیار کرجائیں تو محبت اور نفرت اور پھر اس کی انتہائی شکل عشق اور شدید نفرت سی ہو جاتی ہے۔ ان عناصر کو کنٹرول اور حدود میں رکھنے کا طریقہ ہے کہ انھیں صحیح رخ پہ موڑ دیا جائے۔ اور وہ یہی ہے کہ اپنے رب کا شکر ادا کیا جائے۔ بعض لوگ ناشکری کرتے ہیں اووہ اپنے رب کے ساتھ دوسروں کو شریک بناکر ان سے محبت کرناشروع کردیتے ہیں جیسی صرف اللہ ہی سے کی جانی چاہئے، اللہ تعالی فرماتا ہے:

"وَ مِنَ النَّاسِ مَنْ يَّتَّخِذُ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَنْدَادًا يُّحِبُّوْنَهُمْ كَحُبِّ اللّٰهِ، وَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰهِ وَ لَوْ يَرَى الَّذِيْنَ ظَلَمُوْٓا اِذْ يَرَوْنَ الْعَذَابَ ۙ اَنَّ الْقُوَّةَ لِلّٰهِ جَمِيْعًا ۙ وَّ اَنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعَذَابِ-"[15]

---

(11) ابن تیمیہ، احمد بن عبد الحلیم، اقتضاء الصراط المستقیم لمخالفۃ أصحاب الجحیم، دار عالم الکتب، بیروت، الطبعہ السابعہ، 1419ھ، 1/328

Ibne Tameah, Ahmed bin Abdul Halem, *Iqtazā al-sirāt al-Mustaqīm lmkhālfah Ashāb aljaheem*, dar alam alkutab, Beroot, altbah alsabah, 1419H, 328/1

(12) الجصاص، احمد بن علی، احکام القرآن، دار احیاء العربی، بیروت، 1405ھ، 3/282

Aljasās, Ahmed bin Ali, Ahkāmul Qur'an, Darul Ihhya Alarabi, Beirut, 1405H, 282/3

(13) ابن حجر، احمد بن علی، فتح الباری، شرح صحیح البخاری، دار المعرفہ، بیروت، 1379ھ، 13/278

Ibne Hajr, Ahmad bin Ali, Fathulbāri sharah Sahā Bukhari, Darul Marfah, Beirut, 1379H, 278/13

(14) ابن القیم، محمد بن ابی بکر، إغاثۃ اللھفان، مکتبہ المعارف، الریاض، س ن، 1/116

Ibne Qayyim, Muhammad bin Abi Bakr, Ighāsah al-Lahfān, Maktbah al.Muārif, Al_Riaadh, 116/1

"کچھ لوگ ایسے ہیں جو اللہ کے سوا دوسروں کو اس کا ہمسر اور مد مقابل بناتے ہیں اور ان کے ایسے گرویدہ ہیں جیسی اللہ کے ساتھ گرویدگی ہونی چاہیئے۔ حالانکہ ایمان رکھنے والے لوگ سب سے بڑھ کر اللہ کو محبوب رکھتے ہیں۔"

محبت جیسے شدید اور مثبت جذبے کو سمجھنے کے لیے درج ذیل تعریف سے مزید وضاحت ہوتی ہے: ابن المنظور لکھتے ہیں:

"محبت کا لغوی معنی: "محبت "یا" حب "یہ بغض کا نقیض ہے، جس کا مطلب ہوتا ہے، لازم پکڑنا اور ثابت قدم رہنا۔"[16]

الفاظ عبارت کی نفسیات انسانی سے مناسبت واثرات:

انسانی نفسیات جب کسی ذات سے مودت ومحبت کا تعلق قائم کرتی ہے تو ذی نفس اپنے محبوب کو اس کے لائق ومرتبہ کا خواہاں ہوتا ہے جبکہ صفت محبت کی بے اعتدالی انسانی نفسیات کے فطرتی مزاج کو روندتے ہوئے محبوب کو سب سے فائق اور ہر منفی صفت سے مبرا گردانتاہے وہ اپنے قائم کردہ مذعومہ کردار ومقام کو دلائل سے مزین بھی کرنے کی کوشش کرتا ہے جس کے لیے وہ اپنے نفس کو پہلے ہی آمادہ کر چکا ہوتا ہے۔ یہی سب کچھ مذکورہ کلام الہٰی کے مخاطبین یعنی عیسائیت کے افراد کے ساتھ ہوا اور اللہ تعالیٰ غلو کے بارے میں تنبیہ فرما رہے ہیں:

یٰا:

مذکورہ بالا خطاب کا آغاز 'یااھل الکتاب' کے الفاظ سے ہوتا ہے۔ 'یا' عربی لغت میں حرف ندا کہلاتا ہے۔ کسی کو مخاطب کرنے کے لیے ، آواز دینے کے لیے، متوجہ کرنے کے لیے۔ تمام مجمع میں سے کسی ایک کا نام لے کر بلانے کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ بلایا جانے والا جب 'یا' کہنے والے کی بات سننے کو تیار ہو جاتا ہے۔ بہترین استاد بیشتر مخاطبین کو نام لے کر پکارتے ہیں تاکہ قربت، اپنایت کا احساس ہو اور قبول کر لینے کا معیار (Acceptance Level) بہتر ہو۔ اسی طرح کہی گئی بات سے کماحقہ فائدہ اٹھایا جا سکتا ہے اور ان مقاصد کا حصول ممکن ہو جاتا جو کہنے والا حاصل کرنا چاہتا ہے۔ توحید جیسے اہم معاملے میں مقصد اور بھی اہم ہے۔ ضرورت اس امر کی کہ نتائج کو یقینی اور بہترین بنایا جائے 'یا' کا لفظ بات کے آغاز میں آرہا ہے گویا آغاز ہی سے الفاظ کا چناؤ انسانی نفسیات کے عین مطابق کیا گیا ہے۔ متوجہ کیا جانے والا گروہ اہل کتاب کا ہے۔ یعنی تورات اور انجیل کو ماننے والے لوگ۔

اَهۡلَ الۡكِتٰبِ:

یہاں پر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ماننے والوں کو مخاطب ہی اس انداز سے کیا جا رہا کہ انہیں نفسیاتی طور پر ان کی حیثیت ومقام سے بخوبی اندازہ ہو جائے۔ ہمیشہ کسی گروہ یا فرد کو جبکہ وہ پہلے سے راست باز ہو، سرکشی و باغیانہ پن شروع سے نہ ہو، اسے اس کی ابتدائی حیثیت کا واسطہ دیکر یاددہانی کروائی جاتی ہے اور اس کے لیے دیگر افراد اور مجرموں کی نسبت نرم الفاظ استعمال کیے جاتے ہیں جبکہ آخر الذکر گروہ کے لیے سخت الفاظ استعمال کئے گئے ہیں جیسے قرآن میں مشرکین کو یوں خطاب ہے:

---

(15) البقرہ 165:2

Al baqra, 165:2

(16) ابن منظور، لسان العرب: 290/1

"قُلْ يَاأَيُّهَا الْكَافِرُونَ۔"[17]

"کہہ دو کہ اے کافرو۔"

دوسری جگہ یہ ہے:

"قَالَ الْكَافِرُونَ إِنَّ هَذَا لَسَاحِرٌ مُبِين۔"[18]

"منکرین نے کہا کہ یہ شخص تو کھلا جادوگر ہے؟"

یہ لوگ بھلائی پر کبھی بھی نہ تھے اور نہ ان کو پہلے کبھی بھلائی کا واسطہ دیا جا سکتا تھا اس کے برعکس جو فرد یا قوم بھلائی سے شرک کی طرف منتقل ہوئی ہو اسے تخاطب میں نرمی و پہلی حیثیت کی یاد دہانی کروائی جاتی ہے جو نفسیات انسانی پر اثر پذیر ہوتی ہے۔﴿یا أھل الکتاب﴾ میں قوم نصرانیت کو الہامی کتاب انجیل کے حامل ہونے کی یاد دہانی اور مشرک جیسے قبیح اور متشدد الفاظ کی بجائے نرم انداز تخاطب کا انتخاب کیا گیا ہے کہ مخاطبین کے مزاج پر گراں نہ گزرے اور وہ حق قبول کرنے میں باک محسوس کریں۔ اسی طرح جب اہل کتاب کو ایمان والوں کے درمیان موضوع بحث لایا جاتا ہے یعنی براہ راست انہیں خطاب نہیں کیا جاتا تو وہاں اللہ تعالیٰ نے کافر وغیرہ کی صفت سے بیان کیا ہے۔ جیسا کہ قرآن کی اس آیت مبارکہ میں اہل کتاب میں سے ایک گروہ کو کفر کی طرف موسوم کیا گیا ہے:

"مگر اللہ گواہ ہے کہ یہ لوگ قطعی جھوٹے ہیں اگر تمہیں نکالا گیا تو ہم تمہارے ساتھ نکلیں گے اور تمہارے معاملہ میں ہم کسی کی بات ہرگز نہ مانیں گے اور تم سے جنگ کی گئی تو ہم تمہاری مدد کریں گے"[19]

<u>وَلَا تَقُوْلُوْا عَلَى اللهِ اِلَّا الْحَقَّ:</u>

تخاطب اور جرم کی نشاندہی کے بعد گناہ کا مدعا اس انداز سے بیان کرنا کہ مخاطب پر گراں نہ گزرے اور وہ اپنے خلاف اعراض کو نفسی طور پر ہضم کرلے بجائے اس کے ایسے الفاظ استعمال کیے جائیں کہ معترض علیہ ضد اور ہٹ دھرمی کا شکار ہو۔ لہٰذا اپنے مدعا کو ان الفاظ میں بیان فرمایا کہ "ولا تقولوا على اللهِ إلا الحق۔" "اور اللہ کی طرف حق کے سوا کوئی بات منسوب نہ کرو" کیونکہ آسمانی کتب کہ جن میں انجیل بھی شامل ہے عیسائی چونکہ اللہ پر جھوٹ کو حرام سمجھتے ہیں۔ اس لیے وہ اپنے آپ کو اپنے اللہ کی طرف سے دی گئی تعلیمات کے سچے جانشین باور کرواتے ہیں اور داعی ہیں۔ لہٰذا انہیں اللہ پر صرف حق بات کہنے کا کہا گیا ہے۔ جو کہ سننے والے کے اندر ایک تجسس پیدا کرتا ہے پہلے 'غلو' کا ذکر جس کی تشنگی میں وجہ 'غلو' کا تجسس تھا اب مزید اس کی وضاحت کہ اللہ کی طرف حق بات ہی منسوب کرو۔ یہ جملہ مزید بات کو کھولنے کی استدعا کرتا ہے کہ آخر بات کیا ہے؟ اور نفس انسانی اپنے شرف کے ذکر یعنی یا﴿یا اھل الکتاب﴾ اور خرابی کے سوال کے بعد اس قدر تیار ہو چکا ہوتا

---

(17) الکافرون 1:109

Al-Kāfirūn, 1:109

(18) یونس 2:10

Younas, 2:10

(19) الحشر 11:59

Al-Hashr, 11:59

ہے کہ انسان کا نفس مزید سننا چاہتا ہے کہ آخر وہ خرابی کیا ہے جو اس کلام کے صادر کرنے والے کو مطلوب ہے۔ لہٰذا "و لاتقولوا" کی عبارت میں مزید نفسیات انسانی پر وار کیا گیا کہ مخاطب کو انتہائی کسی اہم مسئلہ میں شکایت ہے جو وہ کھول کر بیان کرنا چاہتا ہے۔

"اِنَّمَا الْمَسِيْحُ عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ رَسُوْلُ اللّٰهِ وَكَلِمَتُهٗ ۚ اَلْقٰىهَآ اِلٰى مَرْيَمَ وَرُوْحٌ مِّنْهُ ۖ فَاٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖ":

اب اللہ تعالی نے اس حقیقت کی طرف اشارہ کیا ہے جسے اہل کتاب بھلا چکے تھے اور غلو کا شکار ہو چکے تھے اور ان کا وہ غلو حضرت مسیح علیہ السلام کو اللہ کا درجہ دینا تھا۔ لہٰذا عیسیٰ علیہ السلام کی حیثیت کو بڑے شائستہ انداز میں متعین فرمایا وہ اللہ کے فرستادہ اور ایک کلمہ ہیں جو مریم کی القاء کیا گیا تھا لہٰذا بھیجنے والے اور جسے بھیجا گیا تھا اس پر ایمان لاؤ یعنی ان کا انہیں حق دو۔ اصل میں اس شائستہ انداز تخاطب کو منع کرنے والی بات سے پہلے اس لیے بیان کیا کہ ابھی نفس کی تیاری میں مزید مرحلہ باقی تھا۔ سو ان کے ممدوح کی صحیح حیثیت کو ان کے سامنے رکھا گیا۔

وَلَا تَقُوْلُوْا ثَلٰثَةٌ ۭ اِنْتَھُوْا خَيْرًا لَّكُمْ:

ماقبل نصیحت میں اہل کتاب کے مرض کا علاج تھا کہ وہ اپنے ابن مریم کی حیثیت کو جانیں اب شارع نے اصل مرض کی طرف توجہ دلائی اور فرمایا کہ تمہارا عقیدہ غلط ہے کہ تین خدا ہیں یعنی 'عقیدہ ثلاثہ' عیسی اللہ کے بیٹے، خدا، عیسیٰ اور مریم کو ایک جاننا۔

اِنَّمَا اللّٰهُ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ۭ سُبْحٰنَهٗٓ اَنْ يَّكُوْنَ لَهٗ وَلَدٌ ۘ لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ۭ وَكَفٰي بِاللّٰهِ وَكِيْلًا:

نفس کے تربیتی مراحل اور مثبت و منفی، انکار و اقرار اور حق شناسی کی کشمکش اور کیفیات پر گرفت کے بعد صانع نے اپنا تعارف کروایا۔ درحقیقت اللہ ایک ہے اور تمہارے غلو کی کوئی حقیقت نہیں زمین و آسمان میں اس کی کوئی اولاد نہیں ہے۔ جن ضرورتوں اور کمزوریوں کی وجہ اولاد کی احتیاج ہوتی وہ ذات ان نقائص سے مبرا ہے۔

توحید الوہیت اور عہد نامہ قدیم:

توحید الوہیت کے بارے میں تورات میں یوں مرقوم ہے:

> "میرے حضور تیرے لیے دوسرا خدا نہ ہو اپنے لیے ڈھالے ہوئے معبودوں کو مت بنائیو نہ ہو کہ تم خراب ہو جاؤ اور اپنے لیے کھودی ہوئی مورتیں کسی مرد یا عورت کی شکل بناؤ۔ کسی حیوان کی شکل جو زمین پر ہیں یا کسی پروار کی جو ہوا میں اڑتا ہے یا کسی چیز کی جو زمین پر رینگتی چلتی ہے یا کسی مچھلی کی شکل جو زمین کے نیچے پانیوں میں ہے۔ نہ ہو کہ تم آسمان کی طرف آنکھیں اٹھاؤ اور سورج اور چاند کو اور ستاروں کو بلکہ آسمان کی ساری فوج کو دیکھ کر انہیں سجدہ کرنے اور انکی بندگی کرنے کے لیے اکسائے جاؤ یہ سب کچھ تجھے دکھایا گیا تاکہ تو جانے کہ خداوند تو خدا ہے اور اس کے سوائے کوئی نہیں پس آج کے دن جان اور پنے تئیں غور کر کہ خداوند ہی خدا ہے جو اوپر آسمان میں ہے اور نیچے زمین میں ہے اور اس کے سوا کوئی نہیں"[20]
>
> "سن اے اسرائیل خداوند ہمارا خدا اکیلا خداوند ہے۔"[21]

---

(20) استثناء:35:14

Istasnā, 35:14

(21) ایضاً،6:4

do

پس منظر وسیاق وسباق:

مذکورہ بالا توحید الوہیت سے متعلقہ کلام بائیبل کے عہد نامہ قدیم میں سے باب استثناء سے لیا گیا ہے جو توریت کا ایک حصہ ہے۔ دراصل یہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو خداوند کا پیغام ہے کہ اس میں پیغام خداوندی کو بنی اسرائیل تک پہنچائیں جو بچھڑے کی پوجا تک کو گوارہ کر بیٹھے تھے۔

انسانی نفسیات سے مناسبت اور اثرات:

توحید الوہیت کے بارے مذکورہ کلام اگرچہ انسانی نفسیات کو توحید الہٰی پر اپنے مدلول میں بہترین نظر آتی ہے لیکن اس کی نفسیات انسانی سے مناسبت سے قبل یہودیت کا اللہ تعالیٰ کی الوہیت بارے قرآن کا بیان کردہ عقیدہ پیش کرنا ضروری ہے:

"وَقَالَتِ الْيَهُودُ عُزَيْرٌ ابْنُ اللَّهِ۔"[22]

"یہودی کہتے ہیں کہ عزیر اللہ کا بیٹا ہے۔"

مذکورہ بالا آیت میں توحید الوہیت کو اجاگر کیا گیا ہے اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کو خطاب ہے اور یہ خطاب بلا تمہید بیان کر دیا گیا ہے جو کہ اپنے مدعا کو یکبارگی پیش کرتا ہے کہ اللہ ایک ہے یعنی اللہ کے ایک ہونے کا پیغام سب سے پہلے دے دیا گیا ہے اور اس کے بعد ہاتھ سے بنے معبودوں کی نفی کر دی گئی ہے اور ان معبودوں کو اللہ ماننے کی وجہ سے ہونے والے نقصان کا ذکر بھی کر دیا گیا ہے کہ تم برباد ہو جاؤ گے۔ اب اپنے مدعا کو کھول کر بیان کیا گیا ہے کہ اللہ کے مقابلہ میں مخلوق، مرد، عورت، پری اور مچھلی حتیٰ کہ انسانی فطرت کو سامنے رکھتے ہوئے کہ وہ ہمیشہ خود کو نفع و نقصان دینے والی چیز کو دیکھ کر ڈرتا ہے یا امیدیں وابستہ کرتا ہے ان سب چیزوں کے اسماء بول دیے کہ انہیں دیکھ کر تم ان کی بندگی پر نہ اتر جانا۔

ڈروخوف اور علم نفسیات:

فطری جذبوں میں ایک خوف کا عنصر بھی شامل ہوتا ہے۔ انسان ہمیشہ ان خطرات اور اشیاء سے مرعوب رہتا ہے جو اسے نقصان پہنچا سکتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ انسان کو یہ داعیہ ان خوفوں کے تدارک کے اسباب اور ذرائع استعمال کرنے اور ان سے بچاؤ کی تدابیر کرنے پر مجبور کرتا ہے۔ محمد علی تسخیری لکھتے ہیں:

> "اللہ پر سچا ایمان موت کے خوف سے نجات دلا دیتا ہے کیونکہ مومن کو یقین ہوتا ہے کہ موت اسے آخرت کی اس زندگی تک پہنچاتی ہے جہاں اللہ کی رحمت اور خوشنودی سے وہ سرفراز ہوگا۔ مومن کو اگر موت کا کچھ خوف بھی ہوتا ہے تو یہ درحقیقت اس بات کا اندیشہ ہوتا ہے کہ کہیں وہ اللہ کی مغفرت سے محروم نہ رہ جائے۔"[23]

حرام حلال جائز اور ناجائز کو سمجھ لینے اور اس پر عمل پیرا ہونے کی جرات پیدہ ہو جاتی ہے یہ جرات باطل کے سامنے ڈٹ جانے اور حق کا علم بلند کرنے میں معاون ہوتی ہے۔ خوف کے اثرات انسان کے عمل میں کیسے تبدیلی لاتے ہیں اور کن احساسات کو خوف سے تعبیر کیا جاسکتا ہے

---

(22) التوبہ 30:9

Al-Toubah, 30:9

(23) محمد علی تسخیری، التوازن فی الاسلام بیروت: مطبوعہ الدار الاسلامیہ، 1979ء، ص:60

Ali taskhīri .altwazan fil islam .Beroot. aldarul islamia .1979.60

مختلف ماہرین نفسیات کے الفاظ میں اس کی وضاحت یوں بیان کی جاتی ہے:

"Fear is a power and primitive human emotion. It alerts us to the presence of danger and it was critical in keeping our ancestors alive. The biological response is universal, while the emotional response is highly individual.." (24)

اچانک کسی خوف سے دوچار ہونے پر جسمانی (Physical) اور رویے (behavior) خوف کی یہی کیفیت خشوع اور خضوع کا سبب بنتی ہے بظاہر سخت سے سخت دل کو بھی اللہ کے سامنے آنسو بہانے پر مجبور کر دیتی ہے۔

"Fear is a feeling induced by perceived danger or threat that a curs in certain types of organisms, which causes a change in metabolic and orange functions and ultimately a change in behaviour, such as feeling, hiding, or freezing from perceived traumatic events. Fear in human beings may accur in response to a specific stimulus accrruing in the present, or in anticipation or expectation of a future threat perceived as a risk to body or life. The fear response arises from the perception of danger leading to confrontation with or escape from /avoiding the threat (also known as the fight -or flight response), which in extreme cases of fear (horror and terror) can be a freeze response or paralysis." (25)

امید اور علم نفسیات:

خوف کا غلبہ نفسیاتی طور پر انسان کو بعض اقات مایوسی اور بے عملی کی طرف لے جاتا ہے ایسے میں ہمت دلانے ولی امید ہے ہوتی ہے لہذا امید کی نفسیاتی مناسبت کو درج ذیل تعریفات سے بخوبی سمجھا جاسکتا ہے:

"Hope is an Optimistic state of mind that is based on an expectation of positive outcomes with respect to events and curcumstances in one's life or the word at large(26).

"As a verb its definitions include:"expect with confidence"and "to cherish a desire with anticipation." (27)

پروفیسر فریڈیکسن باربرل لکھتے ہیں:

"Hope comes into its own when crisis opening us to new creative possibilities."(28)

(24) Available from: //https://www.verywellmind.com/the-psychology-of-fear-2671696 [cited on October 11, 2018

(25) Available from: //https://en.wikipedia.org/wFeariki/

(26) "Hope / Define Hope at Dictionary com"Dictionary reference com1992- 11-27. Retrieved 2012-10-02, cited on October 11, 2018

(27) "Hope- Definition and More from the free Merriam-websterDictionary" Meman-webster.com Retrieved 2012-10-02, cited on October 11, 2018

(28) Fredrickson. Barbaral(2009-03- 23)"Why choose Hope?" Psychology Today, Retrieved 2012-10-02, cited on October 11, 2018

"Hope" in the Holy Bible means castrong and confident expection." [29]

"In the modern terms," Hope is akin to trust and a confident expection" ..[30]

انسانی نفسیات کی اس خوف وامید والی کمزوری کے متعلق میتھیو ہنری کا منٹری[31] لکھتے ہیں:

"سورج، چاند اور ستاروں کی پوجا ایک اور قسم کی بت پرستی ہے۔ جس کے خلاف یہاں خبر دار کیا گیا ہے بت پرستی کی یہ قسم نہایت قدیم اور دلفریب ہے۔ اور اس کی دلفریبی ہی اسے نہایت خطرناک بناتی ہے "جب تو۔۔۔ اجرام فلک یعنی سورج اور چاند اور تاروں کو دیکھے۔" تو ان کی بلندی اور چمک کی، ان کی باقاعدہ گردش اور اثر کی ایسی تعریف کرے گا کہ تجھ پر زبردست آزمائش آئے گی کہ ان کو جلال دے، وہ جلال اور تمجید جو دراصل ان کے بنانے والے کا حق ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ اس آزمائش کے خلاف ان کو ہتھیار بند کرنے کے لیے بڑے مصمم ارادہ اور مستعدی کی ضرورت تھی کیونکہ ایک نادیدنی خدا اور نادیدہ دنیا پر ان کا ایمان بہت کمزور تھا۔ معبود ہونے کی دعویدار یہ چیزیں یعنی "سورج، چاند تارے" صرف برکات ہیں جو خداوند ان کے خدا نے ساری قوموں کو عطا کر رکھی ہیں۔ ان کی پرستش کرنا محض بیہودگی ہے کیونکہ یہ تو انسان کے خادم ہیں۔ ان کو تو زمین پر روشنی ڈالنے کے لیے پیدا اور مقرر کیا گیا ہے۔"[32]

اسی طرح فرمانا: "سن اے اسرائیل خداوند ہمارا خدا اکیلا خداوند ہے۔"

گویا کہ اللہ کے علاوہ اس کی مخلوق میں سے کسی کی بھی پوجا کرنا فضول اور بیکار کام ہے۔ یہ صرف نظام کائنات چلانے کے لیے خالق کی تخلیق ہیں جو انسان کے لیے مسخر کئے گئے ہیں۔ عبادت کے لائق تو واحد خدا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے الوہیت کو اس طرح ظاہر کرنا تھا اس کے علاوہ دنیا میں کوئی وجود نہیں جو اس کے ہم پلہ ہو اور اس کا وجود یکتا ہے۔ اس میں سے نہ کوئی نکلا اور نہ وہ کسی سے نکلا ہے۔ گویا انسانی سرشت میں شرکت غیر کا مادہ اتم درجہ موجود رہتا ہے اور انسانی نفس کو شیطان اس کمزوری کی طرف دھکیلتا ہے کہ وہ خدا کے ساتھ کسی کو ضرور شریک ٹھہرائے۔ لہٰذا یہ آیت ان لوگوں کو خطاب ہے کہ اللہ تعالیٰ صرف ایک ہے۔

میتھیو لکھتے ہیں:

"وہ خدا کی بزرگی، جلال اور بھلائی پر زور دیتا ہے۔ اگر ہم غور کریں کہ وہ خدا کیسا ہے جس کے ساتھ ہمارا واسطہ ہے تو یقیناً اپنے فرض کا دھیان رکھیں گے اور اس کے خلاف گناہ کرنے کی جرات نہیں کریں گے۔ وہ ان کو یاد دلاتا ہے کہ خدا یہوواہ ہی "زندہ اور حقیقی خدا" ہے۔ کبھی آسمان اور زمین کا عالمگیر شہنشاہ ہونے کا دعویٰ بھی نہیں کیا بلکہ وہ صرف مقامی معبود ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں۔ اسرائیلی تو سوائے اعلےٰ ترین Numen آلہٰ (الوہیت) کے کسی اور کی عبادت نہیں کرتے۔ اگر وہ اپنے خدا کو بدل ڈالیں یا اسے نظر انداز کریں تو ان کے پاس کوئی عذر نہیں

---

(29) Titus 1: 2

(30) "Hope / Bible –world Largest Bible study Site "Bible.org. Retrieved 2012-10-02, cited on October 11, 2018

(31) Mathew Henry (18 October 1662-22 June 1714)was a Nonconformist minister and a uther, who was bom in Wales but spent much of his life in England. He is best known for the six-volume biblical commentary Exposition of the old and New Testaments

(32) میتھیو ہنری کا منٹری، تفسیر الکتاب، چرچ فاؤنڈیشن سیمینار ریٹی گن روڈ لاہور، طبع اول، 2002ء، 44/1

Mathew Henry, Commentry, Tafsīr-ul-Kitab, Church Foundation, Lahore. 2002, 44/1

ان کو کبھی معاف نہیں کیا جا سکتا۔ احتیاط رکھو کہ اسے ناراض نہ کرو۔ اس کو تمہاری مکمل محبت اور پرستش چاہیے۔ وہ کسی صورت بھی رقیب کو برداشت نہیں کرے گا۔ نئے عہد نامہ میں بھی ہم پر اسی دلیل کے ساتھ زور دیا گیا کہ "خدا کی عبادت خدا ترسی اور خوف سے کریں"(عبرانیوں 12: 28-29) کیونکہ اگرچہ وہ ہمارا خدا ہے اور ان لوگوں کے لیے شادمانی کا نور ہے جو ایمان کے ساتھ اس کی عبادت کرتے ہیں لیکن جو اس کی تحقیر کرتے ان کے لیے بھسم کرنے والی آگ بھی ہے۔ بہر صورت وہ "رحیم خدا ہے"(آیت 31) یہاں یہ بات توبہ کے لیے حوصلہ افزائی کرتی ہے۔ لیکن فرمانبرداری کی ترغیب بھی دے سکتی ہے اور ان کو برگشتگی سے بچنے کی سوچ بھی دے سکتی ہے۔"[33]

مزید لکھتے ہیں:

"کسی قسم کی شبیہ یا مورت کی پرستش۔ خواہ مقصد ان سے سچے اور حقیقی خدا کی پرستش کرنا ہی کیوں نہ ہو جیسا کہ انہوں نے سونے کے بچھڑا کے معاملہ میں کیا تھا کہ انہوں نے خدا کی سچائی کو بدل کر جھوٹ بنا ڈالا"(رومیوں 1: 25)"اور اس کی عزت کو رسوا میں بدل ڈالا۔"(زبور 2:4) دوسرا حکم صریح اور واضح طور پر اسی گناہ کے خلاف ہے اور یہاں اس کی خاص وضاحت کی گئی ہے۔(آیات 15۔18) لا محدود روح کو کسی بت سے ظاہر کرنا اور خالق کو کسی مخلوق کی مورت سے ظاہر کرنا خدا کی سب سے بڑی توہین ہے اور ہمارے اپنے لیے سب سے بڑا فریب اور دھوکا ہے۔ خدا کی مورتیں بنانے کے خلاف موسیٰ ان کو دلیل دیتا ہے اور زور دار انداز سے ان کو بتاتا ہے کہ حورب پر خدا نے اپنے بارے میں تم کو جو عرفان دیا وہ آواز کے وسیلہ سے دیا جو تمہارے کانوں میں پہنچی تا کہ تم کو سکھائے کہ "ایمان سننے سے پیدا ہوتا ہے۔"(رومیوں 17:10) اور وہ کلام میں خدا ہمارے قریب ہے اور تم کو کوئی شبیہ یا مورت نہیں دکھائی گئی تھی کیونکہ خدا کو جیسا وہ ہے دیکھنا اگلی دنیا میں ہماری مبارک حالی کے لیے محفوظ رکھا گیا ہے اور جیسا وہ نہیں ہے ویسا دیکھنے سے ہمیں نقصان ہو گا اور اس دنیا میں کوئی فائدہ نہیں ہو گا۔ تم نے "کوئی صورت نہیں دیکھی"(آیت 12)[34]

خدا کو اصل شکل میں دیکھنا اس دنیا میں ناممکن ہے یہ صرف اگلی دنیا کے لیے محفوظ ہے۔

عہد جدید اور توحید الوہیت:

انجیل میں ہے:

"سن اے اسرائیل جو ہمارا خدا ہے ایک ہی خداوند ہے۔"[35]

---

(33) تفسیر الکتاب، 1/424

Tafseeru kitab.424/1

(34) ایضاً، 1/423-424

do, 424-423/1

(35) مرقس 29:12 Muruqas.12;29

پس منظر: یہود کے تین بڑے فرقوں میں سے صدوقی فرقہ کے علماء نے حضرت عیسی علیہ السلام سے چند سوالات کیے اور اللہ تعالی کے بارے میں بھی پوچھا گیا ان سوالوں کے جواب دیتے ہوئے حضرت مسیح نے حضرت موسی علیہ السلام کا عقیدہ توحید بیان کیا "سن اے اسرائیل جو ہمارا خدا ہے ایک ہی خداوند ہے۔" جو کہ در حقیقت حضرت عیسی کا بھی عقیدہ ہے اس کلمہ توحید کو عبرانی اصطلاح میں 'کلمہ شیماع' کے نام سے جانا جاتا ہے۔(36)

انسانی نفسیات سے مناسبت اور اثرات:

عہد نامہ جدید انجیل میں حضرت عیسی علیہ السلام نے بھی اس کلمہ 'شیماع' کو دہرایا اور اللہ کی واحدانیت کا اقرار اور تعلیم دی اس کے پس منظر میں رقم کیا گیا تھا کہ یہ یہودیوں کے کچھ سوال تھے جو حضرت عیسی علیہ السلام سے پوچھے گئے انہوں نے اللہ کے احکام کے بارے میں بات کی کہ وہ کیا ہیں تو آپ نے فرمایا سب سے پہلا یہ حکم ہے اور حضرت موسی کا قول دہرا دیا کہ اللہ نے انہیں یہ تعلیمات دی تھیں کہ اسے یکتا جانا جائے۔ گویا حضرت مسیح علیہ السلام کا یہودی علما کو سب سے پہلے توحید الوہیت کو واضح کرنا تھا اور اس کے لیے انہوں نے ان کے ممدوح حضرت موسی کا قول نقل کر دیا تا کہ یہ بات ان پر گراں نہ گزرے اور ان کے نفس اسے آسانی سے قبول کر لیں اور ہوا بھی یوں کہ پوچھنے والے مطمئن ہو گئے پوری عبارت یوں ہے:

> "فقیہ نے پوچھا اول حکم کونسا ہے؟ یسوع نے جواب دیا کہ اول ہے کہ اے اسرائیل سن خداوند خدا ایک ہی خداوند ہے اور تو خداوند اپنے خدا سے اپنے سارے دل اور اپنی ساری جان اور اپنی ساری عقل اور اپنی ساری طاقت سے محبت رکھ"(37)

میتھیو لکھتے ہیں:

> "یہاں خاص طور پر صرف ایک فقیہ کا ذکر ہے جس میں انتہائی اخلاق اور شائستگی تھی کہ اس نے صدوقیوں کو مسیح کے جواب پر توجہ دلائی اور اقرار کیا کہ اس نے ان کو خوب جواب دیا اس نے مسیح سے کچھ اور سیکھنے کی درخواست کی اسے ایسا ہی کرنا چاہیے تھا اس نے مسیح کو آزمانے کی خاطر نہیں بلکہ اس سے اپنی واقفیت بڑھانے کی خاطر ایسا کیا۔"(38)

حاصل بحث

قرآن اور عیسی علیہ السلام کی تعلیمات اللہ کی نازل کردہ کلام ہے۔ قرآن کے الفاظ و عبارات اور مفاہیم کی اثر آفرینی انسانی نفسیات پر گہرے نقوش مرتب کرتی ہے۔ بائبل میں مذکور عبارات میں بھی کسی حد تک اللہ تعالی کے منشاء و مقصودات اس کے الفاظ کے چناؤ اور مفاہیم سے بخوبی جانچے جاسکتے ہیں۔ مستند ہونے کے دعوے سے خالی ہونے کے باوجود بائبل کی عبارات و آیات میں وحی کی خوشبو باآسانی محسوس کی جاسکتی ہے۔ توحید الہ بارے قرآن و بائبل کے تخاطبات واحکام سے متعلقہ الفاظ انسانی نفسیات پر اثرات مرتب کرتے ہیں۔

---

(36) https://ur.wikipedia.org › wiki › شیما).

(37) مرقس 29:12

Muruqas.12;29

(38) تفسیر الکتاب، 3/251

Tafseer al-Kitāb, 251/3